

کے باشندے عام طور پر نادان واقف ہیں۔ زمین کی غیر فطری تقسیم، (ص ۱۱۶-۱۱۵)، بندوبست اراضی کے ظالمانہ قوانین، (ص ۱۱۹-۱۳۹) اور ملازمین کی تنخواہوں میں حدود درجہ تفاوت (ص ۱۳۲)، اور اس قسم کے دوسرے مسائل سے متعلق مفصل معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب تک یہ حالات قائم ہیں، صرف تشدد اور فوجی قوانین سے استراکیت کا سیلاب نہیں روکا جاسکتا۔

آخری باب میں عورتوں کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، وہ حیرت انگیز ہے۔ مصر میں عورتوں کی تعلیم اور مغربی تہذیب کے اثرات اس درجے کو پہنچ گئے ہیں کہ سمجھ دار طبقے چیخ اٹھے ہیں۔ اور تو اور عورتوں کی جدید تعلیم اور بے پردگی کے حامی بھی بے حیائی کی اس رفتار سے گھبرا رہے ہیں۔ مگر ازہر کا یہ بگڑا ہوا شیخ اس پر بھی مطمئن نہیں۔ بے دے کہ صرف پارلیمنٹ کی نمبری اور انتخاب کا حق عورتوں کو مصر اور دوسرے عرب ملکوں میں حاصل نہیں۔ خوش قسمتی سے عرب ملکوں کے علماء اور اہل نظر اس بات پر متفق ہیں کہ عورتوں کو عام ملکی نظم و نسق میں دخل نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے "نیل زادیوں" کی تمام ہنگامہ آرائیوں کے باوجود اب تک وہاں عورتیں ووٹ اور نمبری کے "کاروبار" سے الگ ہیں۔ کتاب کے مصنف اس پر بہت نالاں ہیں۔ اور یہاں یہ بات دلچسپی کے ساتھ سننی جائے گی کہ مصنف نے عورتوں کی صلاحیت کار کے سلسلے میں سب سے بڑی اسلامی حکومت پاکستان کی بے پردہ خاتون، بیگم ثناء اللہ سہروردیہ کو حجت کے طور پر پیش کیا ہے نیز پاکستانی عورتوں کو بے محابا اور بے جھجک پرٹیکے لباس میں دیکھ کر بھی بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا ہے۔ (ص ۲۱۱)

کتاب کا تعارف ذرا طویل ہو رہا ہے۔ آخر میں ایک بات اور سن لی جائے تو اچھا ہے۔ کتاب کی قیمت خاص طور پر بہت کم رکھی گئی ہے۔ اور ایک سال میں چار ادیشن نکل چکے ہیں۔ نیز غیر ملکی عیسائی مشنریوں نے اس کی طباعت و اشاعت میں خاص طور پر مدد کی ہے۔ (۲) من ہنا نعلہ (ہم یہاں سے جانتے ہیں) | مصنف محمد الغزالی - ۱۳۶ صفحے۔

یہ خالد محمد خالد کی کتاب من ہنا مندأ کا جواب ہے۔ اس کے مصنف الانخوان المسلمون

کے سرگرم کارکن اور جوان صالح، شیخ محمد الغزالی ہیں۔ اصل کتاب کے برعکس، تردید انتہائی سنجیدہ اور علمی انداز بیان میں لکھی گئی ہے۔ اور شیخ خالد کے متعاطلوں اور غلط بیانیوں کو متانت اور قوت استدلال کے ساتھ بے نقاب کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے مصنف نے اسلامی نظام حکومت کو کیا ہے، جس کی دعوت ان کا مشن ہے اور جس کی راہ میں وہ قید و بند سے بھی سرفراز ہو چکے ہیں مصنف کے ذہنی سلجھاؤ کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے شروع ہی میں اسلامی دستور کی حیثیت اور اہمیت واضح کر دی ہے۔ نجد و بین کی حکومتوں کو وہ اسلامی حکومت تسلیم نہیں کرتے، گو وہاں شرعی حدود کا نفاذ ہوتا ہے وہ بھٹکتے ہیں :-

”حدود و شرعیہ ہی کل اسلام نہیں، فوجداری اور مالی قوانین دستور کے فروع ہیں۔ پہلے دستور کی تعیین اور تحدید ہونی چاہیے۔ اگر دستور ہی اسلامی نہیں، تو پھر فروع کی کیا قیمت؟ بخیرہ عرب میں شخصی استبداد کے سوا کوئی دستور نہیں۔ اور جب حاکم کی زبان حال وہ دعویٰ کر رہی ہو جو فرعون کی زبان مقال نے کیا تھا، تو پھر قانون اسلامی اور حدود کے نفاذ کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟“ (ص ۱۸۷)

مصنف نے بڑی تفصیل سے اسلامی حکومت کے فرائض و واجبات گنائے ہیں اور دین و دنیا کی تقسیم کے اسباب و مفسد پر بھی نظر ڈالی ہے۔ اسلامی حکومت اور عیسائیوں کی تھیا کریسی (Theocracy) کا فرق بھی لائق مصنف سے پوشیدہ نہیں۔ (ص ۲۵)

اسلامی حکومت کی خصوصیات اور قومی حکومتوں کی خرابیوں کی تفصیل پورے ۶۶ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ مزید اقتباس دینا طوالت کا باعث ہو گا۔

اس کے بعد مصنف نے شیخ خالد کے محبوب و مرغوب موضوع پر گفتگو کی ہے۔ علماء کا مذاق اڑانے میں شیخ خالد کو بڑا لطف آتا ہے۔ وہ خود بھی ازہر کے سفید فاقہ ہیں، شاید یہ احساس کمتری کا نتیجہ ہو۔ محمد الغزالی نے اس باب میں بے لاگ اور صاف باتیں کہی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ

مغربی مفکروں کے اقوال کی ضرورت کیا تھی؟ احادیث میں علماء سوء کے فتنوں اور فریب کاریوں کی صاف پیش گوئیاں موجود ہیں۔ علمائے اسلام کی تعنیفات میں پیشہ در واعظوں اور دین کا کاروبار کرنے والوں (المتجرین بالدين) کے خلاف کیا کچھ نہیں کہا گیا ہے (ص ۶۷-۶۸) شیخ خالد کی اس بات سے بھی الغزالی کو اتفاق ہے کہ اس وقت مصر میں دین کے نام نہاد ترجمان اور دینی انجمنوں اور درس گاہوں کے کرتا و صرتا دین کی خدمت نہیں کر رہے ہیں۔ ان کے اپنے محدود تصورات ہیں، جن پر وہ خوش و خرم، ایک ”وظیفہ خوار“ کی طرح ”شاہ“ کو دعائیں دیا کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض مشہور مذہبی انجمنوں (الجمعیات الدینیہ) کا ذکر کرتے ہوئے، الغزالی لکھتے ہیں۔

”ایک انجمن ہے، جو روزہ نماز پر قانع ہے۔ اس کے کارکنوں کو معاشرتی معاملات پر توجہ دلائیے تو جواب ملے گا۔ ہم سیاسیات میں دخل نہیں دیتے۔ دین کے اس فہم“ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی آنکھوں کے سامنے فلسطین ہاتھ سے نکل گیا اور ان کے ہاتھوں میں جنبش تک نہ ہوئی۔ ایک دوسری شاندار انجمن ہے جو قبروں کی پرستش اور تقلید شخصی کے خلاف برسرِ پرکار اور محمد بن عبد الوہاب کی تعلیمات کے پھیلائے میں سرگرم ہے جب ان سے پوچھیے کہ زندوں کی عبادت (عبادة الأحياء) اور خود ابن عبد الوہاب کے وطن میں ”طلوا غیت“ کے آگے مہر تسلیم خم کرنا کیسا ہے؟ تو یوں پر مہر سکوت لگ جاتی ہے۔“

ص ۶۳-۶۴

یہ بحث ص ۹ پر ختم ہوتی ہے۔ اس کے بعد عورتوں کے مسئلے پر گفتگو کی گئی ہے (ص ۱۰۹-۱۱۰)۔

۱۔ اس انجمن کے ماہانہ آرگن (الہدیٰ النبوی) کے نگران اعلیٰ اور مصر کے سب سے بڑے سلفی عالم اور محقق شیخ احمد محمد شاہ رحمہ اللہ کی تحریریں نظام اسلامی کی حمایت میں چھپ کر مقبول ہو چکی ہیں، انہوں نے تو گزشتہ دور ابتداء میں حدیثی کہ دی۔ یعنی الاخوان المسلمون کے کفر کا فتویٰ صادر کر دیا۔ العیاذ باللہ۔ اللہ کے دین کی ماہ میں جان دینے والے کافر اور گھروں میں بیٹھ کر کتابوں کی وزن گردانی کرنے والے اسلام کے علمبردار۔ غ تغویر تو اسے چربخ گرداں تغو

اس سلسلے میں صرف ایک چیز قابل ذکر ہے مصنف چہرے پر نقاب ڈالنا عورت کے لیے ضروری نہیں خیال کرتے اور اس پر انہیں اصرار ہے (ص ۱۰۱) کتاب کی اشاعت کے بعد شیخ سیدنا محمدؐ والوں سے ان کی محبت بھی ہو چکی ہے۔

کتاب کا آخری اور چوتھا باب اسلام اور اشتراکیت (ص ۱۳۳-۱۳۲) خوب ہے۔ شیخ خالد نے صدقہ اور زکوٰۃ کا مذاق اڑایا تھا۔ مصنف نے نہایت معقول اور مدلل طریقے پر صدقہ اور زکوٰۃ کی اہمیت واضح کی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقرباء (بنو ہاشم) کے لیے زکوٰۃ کا مال حرام قرار دیا ہے۔ اس کی عجیب و غریب توجیہیں کی جاتی ہیں۔ بعض لوگ اسے نبی بڑی پر محمول کرتے ہیں۔ شیخ خالد نے زکوٰۃ کے مال کی حقارت اس کی وجہ قرار دی ہے مگر مصنف نے صحیح طور پر لکھا ہے کہ رسول کریمؐ نے داعی کی حیثیت سے اشیاء سے کام لیا اور اپنے خاندان والوں کو ملکی آمدنی کے ایک بڑے ذریعے سے محروم کر دیا۔ یہ داعی کی خصوصیات ہیں۔ آخر نبی کی ذاتی جائداد بھی تو میراث نہیں بنتی۔ زکوٰۃ دین کا ایک اہم رکن ہے۔ اگر اس مال میں آل رسول کا حصہ ہوتا، تو کہنے والوں کو موقع ملتا۔ قرآن کریم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے لوثی اور پاک دامنی پر بار بار زور دیا ہے۔ زکوٰۃ کے مال سے بنو ہاشم کو محروم کرنا بھی اسی بے لوثی کی ایک مثال ہے۔ اس باب کے آخر میں مصنف نے ہمارے عربی رسالوں کا بھی ذکر کیا ہے :-

”ایک مہینہ ہوا، مولانا مودودی درمیں جماعت اسلامی پاکستان، کے علمی رسالے مجھے ملے۔ میں نے انہیں دو دو تین تین بار (مثنیٰ و ثلاث) پڑھا۔ میری حیرت و تعجب کی انتہا نہ رہی جب ہم نے اپنے ہندی بھائیوں کو اسلوب بیان و تدابیر اور ”حل“ سب میں اپنے سے بہت قریب بلکہ بالکل موافق پایا۔“

۱۔ مصر کی ایک مذہبی انجمن جو صرف عورتوں کی بے حیائی اور بے پردگی کے خلاف مصروف جہاد ہے۔

اس باب میں ہمیں مصنف کی اصطلاح 'الاشترکیۃ الاسلامیۃ' (اسلامی سوشلزم) سے اختلاف ہے۔ مصر و شام میں ہمارے ہم خیال دوستوں نے 'اسلامی سوشلزم' کی اصطلاح تقریباً قبول کر لی ہے۔ وہ شیعہ (کمینوزم) سے تو بہت برہم ہیں، مگر اظہارِ مدعا اور تشہیمِ عام کے لیے اسلامی اشتراکیت (اسلامی سوشلزم) استعمال کرنے میں کوئی بھجک محسوس نہیں کرتے۔ ہم انشاء اللہ انہیں اس طرف بار بار توجہ دلائیں گے۔ اسی طرح ایک جگہ مصنف نے جمال الدین افغانی، محمد عبدہ، احمد عربی اور عبد الرحمن الکواکبی کو اسلامی حکومت کے داعیوں میں شمار کیا ہے (صفحہ ۱۱۶)۔ یہ صحیح نہیں۔ سید جمال الدین مسلمان حکومتوں کا سیاسی اتحاد اور مغربی طاقتوں کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ محمد عبدہ کچھ دنوں تو اپنے استاد کے ساتھ چلے، پھر ایک تعلیمی و معاشرتی صلح ہو کر رو گئے۔ کہیں کہیں تو محمد عبدہ ہمارے ہاں کے سرسید، امیر علی اور چراغ علی کی صف میں آجاتے ہیں۔ احمد عربی ایک فوجی لیڈر تھے۔ وہ نہ عالم تھے نہ مسلح۔ عبد الرحمن الکواکبی کے سیاسی اور دینی مصلح ہونے میں شک نہیں، مگر اسلامی حکومت کا داعی کہنا انہیں بھی مشکل ہے۔ بس یہی دو چیزیں، کتاب کے فکری نظام میں ٹھیک نہیں ٹھہرتیں۔ انشاء اللہ ہم انہیں اس طرف توجہ دلائیں گے۔

دس الاسلام والاوضاع الاقتصادیۃ | تالیف: محمد الغزالی: ۱۱۶ صفحے (دوسرا ادیشن)
 (اسلام اور معاشی تشکیلات)
 اقتصادوی نظام اور اس کی مختلف تشکیلات
 کے باب میں دین کا موقف کیا ہے؟ یہ ہے کتاب کا موضوع۔

”میں نے صرف دین کے قصور اور اس کے مانعہ پر اعتماد کیا ہے۔“ قرآنی مطالعہ اور دوسرے نظاموں سے موازنہ کی کوشش نہیں کی گئی۔ مجھے نہ اس سے بحث ہے اور نہ میرے پاس اس کے وسائل ہی ہیں۔ اس کتاب کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ

لے الاخوان المسلمون کے اکثر لیکنے والے اس فرق کو محسوس کرتے ہیں۔ (احمد انس الحجاجی نے اپنے ایک سو سالہ مہجیل الساعۃ (وقت کا آدمی) میں اسے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔